ڈاکٹر محمد جمال صدیقی، لکچرر شعبہ تاریخ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مارکسی مؤرخین

(قسط اوّل)

یوں تو ہر دور اور ہر زمانہ میں تاریخ نویسی کسی نہ کسی تعصب کا شکار رہی ہے۔ لیکن جب سے تاریخ کا مطالعہ مارکسی نقطہ نظر سے کیا جانے لگا ہے۔ ایک دوسری ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ مارکسی مورخین زیادہ تر تاریخ کے معاشی اور زرعی پہلوؤں کی تحقیق پر زور دیتے ہیں۔ تاکہ تمام انسانی سماج کی تاریخ کو طبقاتی کشمکش کی تاریخ سے تعبیر کرنے میں آسانی ہو۔ مگر جب سے سیاسی، مذہبی اور ثقافتی تاریخ کی تشریح بھی اس درآمد شدہ نظریہ کی روشنی میں شروع کی گئی ہے ایک انتہائی مایوس کن صورت حال سامنے آگئی ہے۔ مارکسی مورخین نے اس مایوس کن تاریخ نویسی کے جائزہ کی ابتدا ہم پروفیسر عرفان حبیب (جو مارکسی نظریات رکھتے ہیں) کے ایک مقالہ سے کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی دہلوی کے سیاسی افکار و کردار سے بحث کی گئی ہے[2] ہم سردست اس مضمون میں صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں پروفیسر موصوف اور ان کے ہم نواؤں کے خیالات کا تجزیہ کریں گے[3]

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں۔ اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے عہد مغلیہ کے دو صوفیوں شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر غیر معمولی توجہ کوز کی ہے۔ اقبال نے اپنے ایک شعر میں شیخ کو ہند میں "سرمایہ ملت کا نگہبان" قرار دیا ہے۔ ایک ہندوستانی عالم پاکستان کی سرکاری

۱۔ ظفر امام۔ مارکسزم ایک مطالعہ ص ۲۰ دہلی ۱۹۷۱ء ۲۔ عرفان حبیب THE POLITICOL ROLE OF SHAIKH AHMAD SIRHINDI AND SHAH WALIULLAH PROCEEDING OF GNDIAN HISTORY CONGREN ALIGARH PART. L 1960 P.P 209-25

۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے متعلق پروفیسر عرفان حبیب کے مطالعہ کا جائزہ آئندہ پیش کیا جائے گا۔

تاریخ FREE DOMMOVENT OF PAKISTAN کے ایک باب میں لکھتے ہوئے یہ اظہار کرتا ہے۔ کہ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے لئے ایک مثالی ملک قائم کرنے کے لئے کام کیا تھا[1] کوشش یہ کی گئی ہے کہ سترھویں اور اٹھارہویں صدی کی اہم واقعاتی تبدیلیوں میں ان دونوں صوفیوں کا ایک فیصلہ کن کردار ثابت کیا جائے۔ شیخ احمد کی تصویر کشی اس شخص کی طرح کی گئی ہے جس نے جہانگیر کو اکبر کی اسلام دشمن پالیسیوں سے منحرف کر دیا۔ اور اس طرح سلطنت مغلیہ میں اسلام کا تحفظ کیا۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان کے افکار نے اورنگزیب کی مذہبی پالیسی کو بھی متاثر کیا[2]

پروفیسر موصوف اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

چونکہ فی زمانہ غالباً صرف فرقہ وارانہ عصبیت ہی کی بنیاد پر کسی کو آسانی سے تاریخ میں کوئی بلند مقام عطا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں سے بے شمار دیگر اوصاف منسوب کئے گئے ہیں[3] آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر آر۔ پی ترپاٹھی شیخ احمد کو اکبر کے خلاف مسلمانوں کی احیاء مذہب کی تحریک کا رہنما بتاتے ہیں۔ اور اس عظیم اثر کا بھی اعتراف کرتے ہیں جو اس تحریک نے جہانگیر کی پالیسیوں پر ڈالا تھا[4] شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا اعتراف کرنے والوں کے مختلف حوالے اور تاثرات قلمبند کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنی حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

" اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے تو شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ کو اپنا محبوب ہیرو بنا ہی لیا ہے۔ (لیکن) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مورخ بھی جو بصورت دیگر بحیثیت معروضی اور سائنٹفک نقطہ نظر سے تاریخ کے مطالعہ کی حمایت کرتے ہیں اس نظریہ سے متفق ہو رہے ہیں[5]

اپنا مقالہ لکھنے کی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ " یہ حقیقت کہ اس پایہ کے مورخین اس قسم کے خیالات کا اظہار کریں۔ ذہن کو اس طرف منتقل کرتا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ان شواہد کی چھان بین کی جائے جن پر ان دونوں صوفیوں کے افکار اور کارناموں کی یہ ساری تشریح مبنی ہے۔ شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کی تحریروں اور دیگر متعلقہ شواہد کے مطالعہ کے بعد اس مصنف کا عقیدہ ہے کہ دونوں صوفیوں کے کردار کا تاریخ میں صحیح مقام متعین کرنے کے لئے از سر نو جائزہ ضروری ہے[6]

---

[1] یہ حوالہ نامکمل اور غلط تشریح کے ساتھ ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مضمون سے متعلق ہے۔ پروفیسر نظامی نے یہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب ایک ایسے ملک کو مسلمانوں کے لئے مثالی سمجھتے تھے جس میں خلافت راشدہ کے نظام کی روح کارفرما ہو۔ [2] PICH ۱۹۶۰ء ص ۲۰۹ [3] ایضاً [4] PICH ۱۹۶۰ء ص ۲۰۰ [5] ایضاً گویا صرف وہی معروضی تاریخ لکھ سکتا ہے جو ان کے مارکسی نظریات کے تحت مذہب کے اثرات سے انکار کر دے اگر ڈاکٹر ترپاٹھی اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی گمراہ ہیں [6] ایضاً

اس سلسلے میں اگر پروفیسر سید نور الحسن (جن کا شمار موجودہ زمانے میں ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کے اسلامی مکتب خیال کے مورخوں میں نہیں ہوتا) کے خیالات یہاں پیش کیے جائیں تو بے محل نہ ہوگا۔ شیخ احمد سرہندی کے متعلق وہ اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں۔

"شیخ احمد سرہندی اپنے دور کے عظیم مذہبی رہنماؤں میں سے تھے۔ ان کے معتقدین میں بعض اہم امراء اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی۔ ان کو اس طاقت ور رجحان کا نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جو عہد اکبری میں منظرِ عام پر آیا یہ رجحان مسلمانوں کے ردِ عمل کا نتیجہ تھا جو سترھویں صدی میں مستحکم ہوا تھا"[1]

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتداء ہی نظریاتی اختلاف سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اس نظریاتی اختلاف کی کوئی گنجائش اس مسئلہ پر پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ شیخ احمد سرہندی کے سیاسی کردار اور اثرات کو تسلیم کرنے والوں کی فہرست میں ڈاکٹر آر۔ پی۔ ترپاٹھی اور پروفیسر نور الحسن ایسے مکتب خیال کے مورخوں کا بھی نام ملتا ہے۔ جن کے تجزیہ سے پروفیسر عرفان حبیب نہ صرف متفق نہیں ہیں بلکہ اس کو غیر تاریخی، غیر معروضی اور غیر واقعاتی بھی سمجھتے ہیں۔

پروفیسر موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کی خوبی صرف فرقہ وارانہ تعصب تھا۔ اور چونکہ یہ خوبی اب فرسودہ ہو چکی ہے۔ اس لیے ان کے مداحوں نے اور بہت ساری خوبیاں وضع کر کے ان سے منسوب کر دی ہیں۔ جدید دور کی اس اصطلاح کا اطلاق سترھویں صدی کے حالات پر سیاق و سباق کو سمجھے بغیر کرنا تاریخ کے ساتھ بے انصافی ہے۔ جسے آج ہم فرقہ وارانہ تعصب سمجھتے ہیں۔ وہ عہد اکبری میں اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف ایک شدید ردِ عمل تھا۔ اور مسلمان ایک طرف خود ہندو بھی اکبر کی مذہبی پالیسی سے متفق نہ تھے چنانچہ راجہ مان سنگھ نے صاف صاف دینِ الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ فرقہ پرست کی مارکسی تشریح کی زد سے شاید ہی کوئی بچ سکے۔ جس نظریہ کا نصب العین ہی مذہب کے خلاف ایک شدید ملامتی مہم ہو[2] اور جس نظریہ کے علمبردار مذہب کو ایک آلہ استحصال تصور کرتے ہوں[3] تو ایسی صورت میں فرقہ پرست

---

[1] پروفیسر نور الحسن شیخ احمد سرہندی اور مغل سیاست PICH الٰہ آباد ۱۹۴۵ء ص ۲۴۵ [2] مذہب کے متعلق مارکسی نظریہ یہ ہے۔ پارٹی مذہبی نقطہ نظر جو انسانی ضمیر کو پراگندہ کرتا ہے۔ عالم جمود میں اسے غرق کر دیتا ہے اور اس کی تخلیقی استعداد عمل اور پیش قدمیوں کو پابہ زنجیر کر دیتا ہے، کے خلاف ایک منظم نظریاتی جدوجہد کو اپنا قطعی فرض تصور کرتی ہے۔

MARX AND ENGLES ON RELIGION FOREIGN LONGVAGES PUBLISHING HOUSE MOSCOW [3] KARL MARX AND FREDRICK ENGLES SELECTED WORKS 1957 P:0P PROGRESS PUBLISHERSMOSCOW 1970 P.38

"متعصب" "قدامت پسند" اور رجعت پسند وغیرہ اصطلاحات کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں۔

"شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کے نظریات کا مطالعہ فطری طور پر ان کے دور کے پس منظر میں ہی کرنا چاہئے[1] لہذا شیخ احمد سرہندی کے نظریات کا ابوالفضل سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے وہ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شیخ احمد، ابوالفضل کے پاس تھے کہ انہوں نے غزالی کے حوالہ سے یہ کہا۔ کہ وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے۔ وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ۔ ابوالفضل نے جوش میں جواب دیا کہ غزالی مہمل کہتا ہے۔ جس پر شیخ احمد اٹھ کر چلے گئے"[2]

اصل واقعہ کو ادھورا نقل کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنے خیال کا اظہار یوں کرتے ہیں" ابوالفضل اور اس کے ہمنوا جہاں جامد عصبیت کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ وہاں شیخ احمد ذہن کو تنگ ترین دینی فہم میں مقید کرنا چاہتے تھے اور وہ ہر اس چیز کو جو ان کے فہم سے بالاتر تھی یا جو شریعت سے جواب محض ایک پیچ در پیچ تفصیلات کے علاوہ کچھ نہ رہ گئی تھی، مطابقت نہ رکھتی تھی مطعون کرتے تھے"[3]

پروفیسر موصوف کی جارحانہ تاریخ نویسی کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔ کہ اصل واقعہ کے پورے متن کا ترجمہ پیش کر دیا جائے تاکہ معاملہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہو سکے۔ یہ واقعہ زبدۃ المقامات میں محمد ہاشم کشمی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"ابوالفضل کا ایک اور مصاحب مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہارے مرشد ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا جس سے علماء دین کی توہین ہوتی تھی حضرت شیخ جن کو اسلام سے بے پناہ محبت تھی وہ یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے فرمایا کہ امام غزالی اپنے رسالہ المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں کہ وہ تمام علوم جن کے ایجاد کا دعویٰ فلسفی کرتے ہیں۔ مثلاً نجوم ہیئت طب وغیرہ کام کے ہیں جن کو انہوں نے قدیم انبیاء کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرایا ہے۔ اور وہ علوم جو خود ان کی اپنی ایجاد ہے۔ مثلاً ریاضی وغیرہ، وہ دین کے کس کام آتے ہیں؟۔ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آگیا۔ اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول بات کی ہے۔ یہ سن کر حضرت شیخ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اہل علم کی صحبت کا ذوق ہے۔ تو اس طرح کی بے ادبی کے الفاظ سے پرہیز کیا کرو۔ یہ کہہ کر وہ مجلس سے باہر چلے گئے اور پھر کئی روز تک ابوالفضل کے پاس نہیں گئے۔ حتیٰ کہ اس نے آدمی بھیجکر معذرت چاہی اور انہیں بلا بھیجا"[4]

---

[1] PIHC ۱۹۶۰ ص ۲۱۰ [2] [3] ایضاً [4] زبدۃ المقامات نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء ص ۱۲۳، ۱۲۴ پروفیسر موصوف پورا ترجمہ پیش کرنے سے شاید اس لئے گریز کر گئے کہ یہ ثابت کرنے میں دقت ہوتی کہ ابوالفضل اور اس کے ہمنوا کسی جامد عصبیت سے برسرِ پیکار تھے۔

پروفیسر موصوف "وآنچہ زادہ طبع ایشاں است چوں ریاضی و امثالہ بچہ کار دین می آید"[1] سے یہ مفہوم "وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ" سمجھنے میں کسی طرح حق بجانب ہو سکتے ہیں۔ "کتب انبیائے ما تقدم و کلام ایشاں"[2] سے مفہوم صرف "قرآن" ہی کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ ابوالفضل کا موازنہ دین کی فہم کے سلسلے میں شیخ احمد سرہندی سے کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اس نے مغلیہ عہد کے زرعی اور معاشی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ یقیناً چھوڑا ہے۔ لیکن مذہب کے دائرۂ عمل میں وہ خود ہی متضاد خیالات کا شکار نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو وہ "صلح کل" کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور دوسری جانب راجہ ٹوڈرمل کی بت پرستی کا مذاق بھی اڑاتا ہے[3] ایک جانب وہ "تقلید" پر "عقل" کی فتح کا علمبردار نظر آتا ہے۔ اور دوسری جانب فیضی کو بادشاہ کے ان احکام کو جو شرع محمدی سے مطابقت نہ رکھتے ہوں نہ ماننے تبلیغ بھی کرتا ہے[4]

دراصل شیخ احمد سرہندی فلسفیوں کے ان تصورات کے مخالف تھے جن سے انبیاء کے اقوال کی نفی ہوتی تھی۔ اور وہ قرآنی آیات کی ایسی تفسیر و تاویل کے خلاف تھے جو مذہب اہلسنت کے خلاف ہو جنہیں عموماً یہ فلسفی پیش کرتے تھے[5] پروفیسر موصوف شیخ کے اس نظریہ کے اس پہلو کو جامد عصبیت اور تنگ نظری ذہنیت کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی روشن خیالی اور ذہنی آزادی کے معیار پر تو اکبر اور ابوالفضل بھی پورے نہیں اتر سکتے۔ موصوف شیخ احمد سرہندی سے قطع نظر شریعت ہی کو ایک جامد عصبیت اور ایک پر پیچ اور بے لوچ مذہبی رسوم کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے موصوف کی تاریخ فہمی کی تو کم لیکن مارکسی عصبیت کی یقیناً شہادت ملتی ہے جو ان کا مقصود اور مطلوب ہے۔

پروفیسر موصوف نے ہندوؤں کے متعلق شیخ احمد سرہندی کے نظریات کو اس انداز میں پیش کیا ہے جیسے ہندوؤں کے خلاف شیخ نے ایک علانیہ مہم شروع کر رکھی تھی[6] اس کی تائید میں صرف ان مکتوبات کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے پروفیسر موصوف کے خود ساختہ نظریات کو تقویت پہنچتی ہے لیکن شیخ کے وہ مکتوبات جن سے مذہبی رواداری کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ اسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ کے صرف دو خطوط کا حوالہ پیش

---

[1] زبدۃ المقامات [2] ایضاً [3] ابوالفضل اکبرنامہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۸۶ جلد ۳ صد ۲۲۱ کے متعلق پروفیسر موصوف کا کیا خیال ہے [4] رقعات ابوالفضل در مطبع علوی صد ۴۷ دیکھئے صد ۷۶، ۷۷ [5] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (اردو ترجمہ) تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۱۴ء جلد ۳ مکتوب ۱۰۱ بنام شیخ عبداللہ

[6] PIHC ۱۹۶۰ء صد ۲۱۱

کیا جاتا ہے۔ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں: "مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنی چاہیئے۔ اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی عقائد کی۔ قرآنی آیات لکم دینکم ولی دین کا یہی مفہوم ہے"[1] ایک دوسرے خط میں ملا مقصود علی تبریزی کو مشرکوں کی نجاست کے بارے میں لکھتے ہیں: "آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں۔ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں۔ اور وہی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں"[2]

فرائڈمان شیخ احمد سرہندی کے نظریہ کے اس پہلو کا سائنٹیفک تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کے نشوونما سے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق سیاق و سباق سے ہے جن میں وہ لکھے گئے ہیں"[3] پروفیسر خلیق احمد نظامی شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک یا دو موقعوں پر انہوں نے جو اظہار خیال کیا وہ تلخ اور غیر ضروری تھا۔ لیکن یہ ان کی تحریک کا گوہر مقصود نہیں تھا۔ درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہوا تھا جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا ان کے رویہ میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی"[4]

پروفیسر عرفان حبیب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جلد سوم کے مکتوبات میں جو دوران اسیری اور رہائی کے بعد لکھے گئے تھے شیخ کا لب و لہجہ معقول اور نرم تھا اور ان میں ہندوؤں اور شیعوں کو مطعون نہیں کیا گیا تھا[5] مگر اس کی تاویل وہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔ کہ (رہائی سے قبل) جہانگیر نے شیخ سے مناسب طرز عمل کا زبانی عہد و پیمان ضرور لیا ہو گا[6] پروفیسر صاحب کا یہ خیال یکسر مفروضی ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ جب کہ ہمارے علم میں شیخ کا وہ خط ہے جو انہوں نے اپنے صاحب زادے کو رہائی کے بعد جہانگیر کے ساتھ قیام کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اس سے رہائی کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں بادشاہ سے دینی امور اور شرعی تفصیلات کے متعلق بے تکلف اور برملا گفتگو ہوئی جسے بادشاہ نے بخوشی سنا۔[8] شیخ کا یہ خط ۱۶۲۲ء میں جلد سوم کے ساتھ شائع ہو چکا تھا اور تزک جہانگیری کا سلسلہ تصنیف ۱۶۲۴ء تک قائم رہا۔ لیکن جہانگیر نے اس خط کی کوئی تردید نہیں کی۔

۱؎ مکتوبات جلد اول (۱۹۳) ص ۱۰۷ ایام شیخ فرید ۲؎ مکتوبات جلد سوم (۲۲) ص ۵۲ ۳؎ فرائڈمان، شیخ احمد سرہندی، مک گل یونیورسٹی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۱ء ص ۷۵ ۴؎

NAGSHLONOLI IN FLUENEE ON MUGHAL RULERS AND POLITICS GOLAMIC CULTURE TAN 1965 p.50

۵؎ PIHC ۱۹۶۰ ص ۲۱۵ ۶؎ ایضاً ۷؎ مکتوبات جلد ۳ (۴۳) ص ۱۱۰ و ۱۱۱

جہانگیر نے تفصیل سے شیخ احمد سرہندی کی گرفتاری اور رہائی کا ذکر تزک جہانگیری میں حد درجہ بے ادبی سے کیا ہے[۵۱] لیکن یہ کہ اس نے شیخ احمد سرہندی کو رہا کرنے سے قبل ان سے مناسب رویہ اختیار کرنے کا عہد و پیمان لیا ہو، اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب کا خیال ہے کہ شیخ احمد عوام کے قطعاً رہنما نہ تھے۔ ان کی نظریں بادشاہ اور اس کے امرا کی جانب لگی رہتی تھیں۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ شریعت کی تجدید اور حفاظت صرف بادشاہ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں بادشاہ کو وہی مقام حاصل ہے جو قلب کو جسم میں۔ امرا کا یہ فرض ہے کہ وہ بادشاہ کو شریعت کی پیروی کرنے کا مشورہ دیں۔ لہٰذا یہ فطری امر تھا کہ وہ خود بادشاہ تک باریابی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے اور اس کے مصاحبین میں شامل ہوتے؛ تاکہ وہ شرعی حکومت کے مکمل قیام کے خیالی خواب میں معاون ہو سکیں۔ چنانچہ انہوں نے امرا کو بالخصوص شیخ فرید کو متعدد خطوط لکھے لیکن انہوں نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ صرف اعلیٰ طبقات اور صاحب اقتدار ہی ان کے مخاطب رہے[۵۲]

عہد وسطیٰ کے دور شہنشاہیت میں بادشاہ اور اس کے امرا کو جو مرکزیت حاصل تھی اس کے پیش نظر شیخ احمد سرہندی کا بادشاہ اور اس کے امرا کو شریعت کی اہمیت کی جانب متوجہ کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس زمانہ میں سارے دینی تجربات کا مرکز دربار ہی ہوتا تھا۔ اس بات کا کہ شیخ نے اپنے مقصد کی تکمیل میں کبھی دربار میں شرف باریابی حاصل کرنے یا بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہونے کی خواہش کی ہو کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اکبر سے شیخ احمد سرہندی کی کسی بھی ملاقات کا ذکر نہیں ملتا۔ اور جہانگیر سے بھی ملاقات چودھویں سال جلوس میں اس طرح ہوئی کہ جہانگیر نے شیخ کو باز پرس کے لئے طلب کیا۔ شرف باریابی حاصل کرنے والا شخص دربار کے متعدد امرا سے خط و کتابت کے درمیان بادشاہ وقت کی مذہبی پالیسیوں پر اس بے باکی سے تنقید نہیں کر سکتا تھا کہ جہانگیر یہ لکھنے پر مجبور ہو "بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد"[۵۳] جہاں تک شرعی حکومت کے مکمل قیام کا سوال ہے کہ "یہ یک خیالی خواب تھا" اس سلسلہ میں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ اس کا قیام بہر صورت مارکس کے معتقدین کے لئے ہر زمانے میں دردِ سر رہا ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ فرضیہ کہ انہوں (شیخ) نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص کو مخاطب کیا[۵۴] تجزیہ طلب ہے۔ فریڈمان جس نے شیخ احمد سرہندی سے متعلق بنیادی

---

۵۱ تزک جہانگیری، سر سید ایڈیشن علی گڑھ ۱۸۶۴ء ص ۲۷۲، ۲۷۳ ۵۲ PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۲ ۵۳ تزک جہانگیری ص ۲۷۳

۵۴ PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۲ پروفیسر عرفان حبیب کے نظریات سے متاثر ہو کر پروفیسر مجیب نے بھی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات
باقی اگلے صفحہ پر

ماخذ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ لکھتا ہے کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں جو ۵۳۶ مکتوبات کا مجموعہ ہیں ان میں دو سو اشخاص کو مخاطب کیا گیا ہے[1] وہ مزید لکھتا ہے کہ خود موصول کرنے والوں کی صرف ایک مختصر تعداد کا تعلق مغل حکام سے ہے۔ اور ان کو ستر سے زیادہ خطوط نہیں لکھے گئے۔[2]

وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ تقریباً دو سو مخاطبین میں سے صرف ایک مختصر تعداد کی شناخت موجودہ دستیاب ماخذ کی مدد سے صحیح طور پر کی جا سکتی ہے[3] فرائڈمان اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دورِ حاضر کے مورخین نے مغل حکام کو لکھے گئے خطوط پر جس قدر توجہ مبذول کی ہے وہ مکمل مجموعہ میں اپنی واقعی اہمیت کے لحاظ سے مبالغہ آمیز ہے۔[4]

جن مکتوبات کے صرف تیرہ فیصد ہی مغل حکام اور امراء کو لکھے گئے ہوں اور بقیہ ۸۷ فیصد لوگ غیر درباری ہوں اور جن دو سو مخاطبین میں صرف چند اشخاص ہی کی تاریخی شناخت ممکن ہو سکی ہو۔ ان مکتوبات کے متعلق یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے ان میں صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا گیا۔ غیر اہم تاریخی نوعیت کے اشخاص جن کی شناخت نہ ہو سکی ان میں یقیناً عام مسلمان شامل ہوں گے۔

شیخ احمد سرہندی عوامی رہنما تھے یا نہیں بحث کا محتاج ہے کیونکہ عوامی رہنما کا جو تصور مارکس نواز پیش

پر اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے "بلاشبہ (شیخ احمد سرہندی کے لئے) یہ ضروری تھا کہ مخصوص نوعیت کے القاب استعمال کئے جائیں اور امراء کی مناسب وقت پر مناسب مقصد کے لئے مدح سرائی کی جائے۔ لیکن ان کی مدح سرائی زیادہ تر چاپلوسی کی حد تک پہنچ جاتی تھی اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی تبلیغ شریعت کی حیثیت دنیاوی مفاد میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی کے مطابق پروفیسر مجیب کے تاثرات شیخ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ایک بے بنیاد الزام تراشی کے مترادف ہے۔ وہ لکھتے ہیں: پروفیسر موصوف نہ تو ان القاب کا جو شیخ نے امراء کے لئے استعمال کئے تھے، نمونہ پیش کرتے ہیں اور نہ تو ان قابل لحاظ دنیوی مفاد کی وضاحت کرتے ہیں۔"

MOOLERN WHTINGSON ON ISLAM AND MUSLIMS IN INDIA INTERNATIONAL BOOK TROALES ALIGARH 1973 P 60 — اقتدار حسین صدیقی

پروفیسر مجیب کا حوالہ THE INDIAN MUSLIMS سے ماخوذ ہے۔

۱ فرائیڈمان، شیخ احمد سرہندی ص ۲ ۲ ایضاً ۳ ایضاً ۴ ایضاً ص ۲

کرتے ہیں وہ خود انتہائی غیر واضح ہے ۔ مارکسی نظریہ کے حامیوں کی مرتب کی ہوئی عوامی رہنماؤں کی طویل فہرست میں خود مارکسی نظریہ کے علمبرداروں کے ہاتھوں گذشتہ بیس برسوں میں پے در پے جو شکست و ریخت اور ردّ و بدل واقع ہوا ہے ۔ اس کے پیش نظر عوامی رہنما کی اصطلاح کی مارکسی تشریح کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے دور حاضر کی اس اصطلاح کا اطلاق دور وسطیٰ پر کرنا بے محل ہوگا۔ ہمارے پاس اس کی شہادت ہے کہ جہانگیر خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ شیخ کے خلفا ہر دیار اور ہر قریہ میں متعین ہیں[1] ۔ اور یہ کہ شیخ کی گرفتاری کے جواز میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ" شورش عوام نیز فرونشیند" [2] جس شخص کی گرفتاری عوامی شورش کو فرو کرنے کے لئے عمل میں لائی جاتے ۔ اس کے متعلق کم از کم اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے ۔ کہ اس کے افکار اور نظریات کا دائرہ عوام تک پہنچ چکا تھا ۔ اور ان کے مکتوبات کی شہرت دربار کی حدود سے گذر کر عوام تک پہنچ چکی تھی ۔ اور چونکہ شیخ کے خلفا شہر شہر پھیلے ہوئے تھے اس لئے ان کا رابطہ عوامی سطح پر قائم ہوچکا تھا ۔ اگر پروفیسر موصوف جہانگیر کے اس اعتراف کو کسی جوابی دلیل سے رد کرنے کی کوشش کرتے تو طعن و ملامت کی وہ عمارت تزک جہانگیری کے اس حوالہ سے جہاں جہانگیر نے حد درجہ بے ادبی سے شیخ کی گرفتاری کا ذکر کیا ہے ۔ اور جس کے ضمن ہی یہ دونوں باتیں بھی تحریر کی ہیں از خود مسمار ہو جاتی ۔ لیکن پروفیسر موصوف اس نازک صورت حال سے دوچار ہونے کے لئے خود کو تیار نہ کر سکے ۔ اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کر گئے ۔

دربار اکبری کے ایک اہم امیر شیخ فرید پر شیخ احمد سرہندی کے اثر کے بارے میں شبہ کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں ۔ کیا شیخ احمد کا شیخ فرید پر کوئی اثر تھا ؟ کیا شیخ فرید بھی جہاں گیر پر اسی طرح اثر انداز تھے اور کیا جہانگیر نے اکبر کی (مذہبی) پالیسی ترک کردی تھی ؟ اس امر کا اس کے سوا کہ شیخ احمد نے شیخ فرید کو بہت سارے خطوط لکھے ۔ اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے ۔ کہ شیخ فرید نے کبھی بھی شیخ احمد کا مشورہ قبول کیا ہو ۔ ان مکتوبات کو ایک جلد میں جمع کرکے جب کہ شیخ فرید کا انتقال ہوچکا تھا ۱۶۱۷ء میں شائع کیا گیا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ شیخ فرید نے ان خطوط کو وصول بھی کیا ہو یا نہیں ۔ یا کم از کم اسی شکل میں جس میں وہ (مکتوبات) ہمیں آج دستیاب ہیں ۔ یہ یقین کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حکومت کے اتنے بڑے عہدہ دار نے ایسے خطوط وصول کرنے کی ہمت کی ہوگی جن میں بادشاہ وقت کے والد کے متعلق گستاخانہ کلمات استعمال کئے گئے ہوں گے ۔ برخلاف اس کے شیخ فرید اکبر کے لئے انتہائی جذبہ وفاداری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ کیونکہ انہوں نے اللہ داد فیضی سرہندی کو عہد اکبری کی ایک تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا ۔ جس میں اکبر کی تعریف کے سوا کچھ بھی

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۷۳ [2] ایضاً ص ۲۷۳

نہیں ملتا۔ یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے۔ کہ گویہ تاریخ جس کا سلسلہ ۱۶۱۰ء تک رہا ہے۔ سرہند کے ایک باشندے نے لکھی ہے۔ اور جس میں سرہند کے بہت سے علما۔ کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن شیخ احمد سرہندی کا ذکر ایک جگہ پر بھی نہیں کیا گیا[۱]

مندرجہ بالا شبہات اور تاویلات کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹر محمد عمر نے اپنے ایک مقالہ میں سیر حاصل بحث کی ہے[۲]

پروفیسر موصوف درحقیقت مکتوبات کے اسناد اور صداقت کو مجروح و مشتبہ کرنے کی ایک ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کے افکار اور نظریات کے مطالعہ کے لئے مکتوبات ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر پروفیسر موصوف مکتوبات ہی کو مشتبہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو نظریات اور افکار از خود بے وقعت ہو جاتے۔ روایت یعنی مکتوبات کے در پردہ راوی شیخ احمد سرہندی کو جس طرح ملوث کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ وہ پروفیسر موصوف کی نظریاتی عصبیت کا ایک مزید ثبوت ہے۔

کوئی بھی صاف ذہن رکھنے والا مورخ اگر ان مکتوبات کا سرسری جائزہ لے تو وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ شیخ نے جن لوگوں کو خطوط لکھے انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان خطوط کو وصول کیا بلکہ ان کے جوابات بھی دیتے شیخ احمد سرہندی اپنے مخاطبین کو بشمول شیخ فرید بار بار یہ لکھتے ہیں کہ آپ کا گرامی نامہ۔ محبت نامہ۔ مرحمت نامہ موصول ہوا[۳] مکتوبات کے ابتدا میں ان سوالات کا خلاصہ دیتے ہیں۔ جو مکتوب الیہ نے دریافت کئے ہیں اور اس کے بعد ان سوالات کا جواب سلسلہ وار دیتے ہیں[۴] شیخ احمد سرہندی ایسے دیندار شخص سے یہ بعید تھا کہ وہ ایسے مکتوبات کا پرفریب تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے۔ کہ مخاطبین ان کے خطوط کو وصول کر کے ان کے جوابات بھی دے رہے ہیں۔

اسی ضمن میں افتخار عالم خاں صاحب کے مضمون کا حوالہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ سیاست میں مذہب کی ایک ناقابلِ تسلیم اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ اسی رجحان (سیاست میں مذہب کی اہمیت) نے بعض پاکستانی مورخین کو اکسایا کہ وہ اکبر کی مبینہ اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف ایک قدامت پرستانہ ردعمل کو دریافت کریں جس کی بنیاد

---

[۱] PGHC ۱۹۹۰ ص۲۱۲، ۲۱۳ [۲] محمد عمر SHAIKH FARID BUKHAN. S. RELATIONS WITH SOME OF THE CONTEMPOREY ULAMA یہ مقالہ انڈین ہسٹری کانگرس کے بھوونیشور سیشن ۱۹۷۷ء میں پڑھا گیا تھا۔ [۳] ایضاً ص ۲۷۔ اور حاشیہ

[۴] دیکھئے فرانڈمان شیخ احمد سرہندی ص ۳

ان چند خطوط پر رکھی گئی تھی جو راسخ العقیدہ مسلک کو تسلیم کرنے کی بھی پروا نہیں کی[۵]۔ اقتدار عالم خاں صاحب کی عبارت میں شیخ احمد سرہندی کے لئے مضمر جذبۂ حقارت کسی وضاحت کا محتاج نہیں لیکن یہ کہہ دینا یہاں بے محل نہ ہوگا کہ خاں صاحب موصوف بھی اسی منبع علم سے سیراب ہوئے ہیں جس سے پروفیسر عرفان حبیب نے کسب فیض کیا ہے اور یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دونوں ایک ہی سُر میں نغمہ سنج محض اس لئے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار و کردار کا سائنٹیفک تجزیہ کرنے والے مورخین کو فرقہ پرست کہنے کے ساتھ ساتھ ایک غیر ملکی نظریہ کا علمبردار ثابت کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مکتوبات کو مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش میں آخر مخاطبین کی ایک طویل فہرست سے پروفیسر موصوف کی نگاہ انتخاب صرف شیخ فرید ہی پر کیوں پڑی۔ شاید اس لئے کہ ان کا انتقال مکتوبات جلد اول کی اشاعت (۱۶۱۷ء) سے قبل ہو چکا تھا۔ لیکن پروفیسر موصوف یہ بھول گئے کہ مرزا عزیز کوکہ اور عبدالرحیم خان خانخاناں کا انتقال بالترتیب ۱۶۲۴ء اور ۱۶۲۷ء میں ہوا جب کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں شائع ہو چکی تھیں[۶]۔ ان کے علاوہ جلد اول کی اشاعت کے بعد اہم مکتوب الیہم کی ایک خاصی تعداد ابھی بقید حیات تھی۔ اور خود تزک جہانگیری کا سلسلہ تحریر بھی جاری تھا۔ مگر کسی نے کبھی بھی ان مکتوبات کی صداقت یا حیثیت کی تردید نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بھی مخالفین کی کوئی کمی نہ تھی۔ اور اس انکشاف کے موجد ہونے کا سہرا پروفیسر موصوف کے سر نہ بندھ سکتا تھا۔

مکتوبات کی موجودہ شکل کے بارے میں پروفیسر موصوف کا شبہ محض بے بنیاد ہی نہیں ہے بلکہ سخت گمراہ کن بھی ہے۔ کیونکہ مکتوبات کے تمام نسخوں کے متن میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بفرض محال اگر کوئی فرق ہے تو پروفیسر موصوف اس کا کوئی ثبوت پیش کرنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ صرف شبہ ظاہر کر دینے سے مکتوبات کو مشتبہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بے بنیاد شبہ خاص مسلکی اور وقتی مصالح کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ مکتوبات کی حیثیت اور صداقت کو تسلیم کرنے کی صورت میں پروفیسر موصوف کے پاس بہت سارے بے بنیاد سوالات اور شیخ احمد سرہندی پر الزام تراشی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ پاتی۔

۵۔ اقتدار عالم خاں MOTES ON THE CONCEPTION OF AKBORS RELIGIOUS POLICY سیمینار اکتوبر ۱۹۶۹ء شملہ ص ۲

۶۔ ڈاکٹر محمد عمر، حوالہ سابقہ ص ۲۱، ۲۲۔

مشاہیر علوم دیوبند۔ سائز ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۶۷۰

ڈائی دار جلد عمدہ سینکڑوں علماء دیوبند کے مختصر مگر جامع حالات زندگی پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب۔ علمی خدمات اور نایاب ہزاروں تصانیف کا تذکرہ تالیف قاری فیوض الرحمان ایم۔اے۔ علماء و مشاہیر دیوبند کے انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد۔ قیمت ۴۰ روپے

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین — فضیلت صدیق رضؓ و فاروق رضؓ

حجۃ الاسلام حضرۃ شاہ ولی اللہ کی معرکۃ الآرا بلند پایہ تحقیقی تصنیف۔ نہایت عمدہ بہترین ڈائی دار جلد اعلیٰ کاغذ کیساتھ دیدہ زیب ایڈیشن۔ قیمت ۴۰ روپے صفحات ۳۳۶

منہاج السنن شرح جامع السنن

جلد اوّل (عربی)

امام ترمذی کی کتاب ترمذی شریف کی نہایت جامع اور مختصر شرح۔ درس و تدریس کے لئے نہایت کارآمد۔ مؤتمر المصنفین کی ایک قیمتی اور تازہ پیشکش علامہ مولانا محمد فرید صاحب مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ کے قلم سے۔ صفحات ۳۰۴ قیمت ۲۵/- روپے

مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

Manufacturers of:

Rolled Products such as
Angles, Round Bars,
Flat Bars, CHANNELS ETC.
Wire Products Like
Barbed Wire and
Wire mesh

A. C. S. R.
All Aluminium Conductor
Stay Wires
and
Earth Wires

QUALITY PRODUCTS

AMIE INVESTMENT LIMITED

State Life Insurance Building No. 4
4th Floor, Shahrah-e-Liaqat,
KARACHI

Cable: GODFEAR

Phones: 236011/2/3